صفحات میں دیکھنے سے ایک سیکنڈ پہلے تک بھی میں نہ سوچ سکتا تھا کہ مجھ پر یہ الزام بھی کبھی لگایا جاسکتا ہے)۔ پھر اسی المنیر نے کسی دوسرے صاحب کا ایک خط شائع کر دیا جس میں وہ اپنی دانست کے مطابق ووٹوں کی اس خریداری کے حق میں کچھ دلائل پیش کرتے ہیں (اور یہ بالکل ان کا اپنا ہی فعل ہے۔ مجھ سے اس معاملہ میں نہ ان کا نہ کسی اور شخص کا سرے سے کبھی کوئی تبادلۂ خیال ہوا ہی نہیں، اور ان کے استدلال یا خیالات کا مجھ سے قطعاً کوئی واسطہ نہیں ہے)۔ اس کے بعد جنابِ "الفرقان" اس سارے معاملے کو میرے سر تھوپ کر لوگوں کو یہ تاثر دے رہے ہیں کہ دیکھو، یوں اس شخص کے خیالات سے متاثر ہونے والے لوگ اخلاقی قیود کو بالائے طاق رکھے دے رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ میں نے کب یہ کہا یا لکھا تھا کہ روپے سے ووٹ خریدنا جائز ہے؟ یہ ایک خالص بہتان تھا جو صاحبِ "المنیر" نے محض اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین کے لیے خود ہی گھڑا اور شائع کر دیا۔ اب اگر ایک بالکل غیر متعلق شخص اس جھوٹی روایت پر اپنے کچھ خیالات پیش کرتا ہے تو کیا میں اس کی بھی جوابدہی کرتا پھروں؟ صرف یہ بات کہ وہ شخص اپنے خیالات پیش کرنے کے ساتھ میری تعریف میں بھی کچھ کلمات لکھ دیتا ہے، کیا اس کے لیے کافی ہے کہ مجھے اس کی ہر بات کا ذمہ دار ٹھیرا دیا جائے؟ یہ طرزِ مواخذہ اختیار کیا جائے تو اگلے پچھلے علماء و مشائخ اور بزرگانِ دین میں سے کون بچ جائے گا جس کے معتقدین و مداحین کی ہر غلطی اس کے سر چپک کر اُسے سرچشمۂ ضلالت ثابت نہ کیا جاسکے۔ شاید بگڑی ہوئی حکومتوں کے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر بھی لوگوں کو ماخوذ کرنے میں یہ سرگرمی اور چابکدستی تو نہ دکھاتے ہوں گے۔

(۴) الائمۃ من قریش کے متعلق جو مفصل بحث میں نے رسائل و مسائل حصہ اوّل میں کی ہے اگر اسے آپ نے پڑھ لیا ہوتا تو شاید آپ "الفرقان" کی تنقید میں وہ وزن محسوس نہ کرتے جس کا اظہار آپ نے کیا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر احادیث میں کوئی چیز تو ایسی تھی جس کی بنا پر صدرِ اوّل سے لیکر شاہ ولی اللہ صاحب کے دور تک بالعموم فقہائے اسلام خلافت کے لیے قرشیت کو قانونی شرط کے طور پر بیان کرتے رہے۔ اگر حضور کے ارشادات سے یہ منشا سرے سے ظاہر ہی نہ ہو رہا ہوتا کہ آپ کے بعد خلافت قریش کے لوگوں کو دی جائے تو کیا فقہاء اتنے نادان تھے کہ محض پیشین گوئیوں کو بالاتفاق

حکم سمجھ بیٹھتے اور موجودہ دور کے بعض حضرات سے پہلے کسی کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی کہ یہ تو محض خبریں ہیں، ان کا منشا یہ ہے ہی نہیں کہ خلیفہ قریش میں سے ہو۔

"الائمۃ من قریش" حکم ہے یا خبر، اس کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے ملاحظہ ہو:

"وازانجملہ (یعنی من جملہ شرائط خلافت) آنست کہ قرشی باشد باعتبار نسب آباء خود، زیرا کہ حضرت ابوبکر صدیق صرف کردند انصار را از خلافت بایں حدیث کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ اند الائمۃ من قریش" (ازالۃ الخفاء مقصد اول، صفحہ ۵)۔

اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ شاہ صاحب اس حدیث کے معنی ائمہ قریش میں سے ہوں گے سمجھ رہے ہیں یا قریش میں سے ہوں؟ اگر بالفرض اسے اور اس معنی کی دوسری احادیث کو لفظاً خبر ہی قرار دیا جائے تو فقہاء و محدثین نے عام طور پر اس خبر کو امر ہی کے معنی میں لیا ہے۔ بخاری کی حدیث لا یزال ھذا الامر فی قریش کے متعلق علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ "یہ حدیث مشروعیت کی خبر دیتی ہے یعنی امامت کبریٰ منعقد نہ ہوگی مگر قرشی کے لیے"۔ ابن المنیر کہتے ہیں "اس کا مقتضیٰ جنس امر کا قریش میں محصور ہوتا ہے، گویا حضور نے دراصل یہ فرمایا کہ لا امر الا فی قریش، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے حضور کا یہ ارشاد کہ الشفعۃ فی ما لم یقسم"۔ اور علامہ ابن حجر فرماتے ہیں "یہ حدیث اگرچہ خبر کے الفاظ میں ہے مگر امر کے معنی میں ہے، گویا حضور کا ارشاد یہ تھا کہ خاص طور پر قریش ہی کو امام بناؤ۔ حدیث کے باقی طُرُق اسی معنی کی تائید کرتے ہیں، اور صحابہ نے بالاتفاق اس کو حصر ہی کے مفہوم میں لیا بخلاف اُن لوگوں کے جو اس معنی کا انکار کرتے ہیں، اور اسی بات کی طرف جمہور اہل علم گئے ہیں کہ امام کے لیے قرشی ہونا شرط ہے" (فتح الباری جلد ۱۳، صفحہ ۹۶ - ۹۷)۔

علاوہ بریں علماء کی اس رائے کا انحصار محض اُن احادیث پر ہی نہ تھا جو خبر کے الفاظ و انداز میں ہیں یا جن کے اندر محض خبر ہونے کا احتمال ہے، بلکہ متعدد احادیث امر کے الفاظ میں بھی مروی ہیں، مثلاً قدموا قریشا ولا تقدموھا (قریش کو آگے کرو اور ان سے آگے نہ بڑھو) جسے بیہقی، طبرانی اور امام شافعی نے نقل کیا ہے، اور قریش قادۃ الناس (قریش لوگوں کے لیڈر ہیں) جسے امام احمد نے حضرت عمرو بن عاص سے روایت کیا ہے۔

دراصل اس مسئلے کے متعلق مختلف الفاظ میں کثرت سے جو ارشادات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہوئے ہیں ان کا مجموعی اثر یہ تھا کہ علمائے اسلام صدیوں تک بالاتفاق خلافت کے لیے قرشیت کو ایک قانونی شرط کی حیثیت سے بیان کرتے رہے ہیں اور خوارج و معتزلہ کے سوا کسی نے اس معاملہ میں اختلاف نہیں کیا ہے۔ قاضی عیاض تو اس معاملہ میں اجماع تک کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں :-

"امام کے لیے قرشیت کا شرط ہونا تمام علماء کا مذہب ہے اور انہوں نے اسے اجماعی مسائل میں شمار کیا ہے۔ سلف میں سے کسی سے اس کے خلاف کوئی رائے منقول نہیں ہوئی ہے اور اسی طرح بعد کے ادوار میں بھی امصار مسلمین میں سے کہیں کے علماء نے اس سے اختلاف نہیں کیا ہے" (فتح الباری، حوالۂ مذکور)

اب اس کا کیا علاج کیا جائے کہ بات اطفال مکتب تک پہنچ چکی ہے جو بے تکلف دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ تو محض خبر تھی جس میں امر کا شائبہ تک نہ تھا۔ گویا پچھلی صدیوں میں جہالت اتنی عام تھی کہ خبر اور امر کا فرق بھی کسی کی سمجھ میں نہ آیا اور اس کے امر ہونے پر سب اتفاق کر بیٹھے اور صدیوں تک اتفاق کیے رہے! ان جسارتوں پر حال یہ ہے کہ یہی لوگ دوسروں پر الزام دھرتے ہیں کہ ان کی تحریروں سے سلف کا اعتماد و احترام ختم ہوا جا رہا ہے اور عوام اس غلط فہمی میں پڑ رہے ہیں کہ دین ان سے پہلے کسی نے نہ سمجھا۔

میری رائے اس مسئلے میں اب بھی وہی ہے جس کی وضاحت میں اس سے پہلے "رسائل و مسائل" میں کر چکا ہوں، اور اب تک کوئی ایسی علمی بحث میرے سامنے نہیں آئی ہے جس سے مجھ کو اس پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہو۔ میرے نزدیک یہ ثابت ہے کہ حضور نے قریش ہی کو منصب خلافت دیے جانے کی ہدایت فرمائی تھی۔ یقیناً یہ آپ کا حکم تھا، محض پیشگوئی نہ تھی۔ مگر اس حکم کی بنیاد یہ نہ تھی کہ شرعاً خلافت ایک خاص قبیلے کا حق تھی جس کے سوا کسی دوسرے قبیلے یا نسل کا کوئی شخص اس منصب کا سرے سے مستحق ہی نہ ہو سکتا تھا۔ بلکہ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ عملی سیاست کے نقطۂ نظر سے حضورؐ کے بعد صرف قریش ہی کی خلافت کامیاب ہو سکتی تھی جس کے وجوہ حضورؐ نے خود

اپنے متعدد ارشادات میں واضح فرما دیئے تھے۔ اس لیے آپ نے حکم دیا کہ خلافت قریش ہی میں رکھی جائے، تاکہ اسلامی نظامِ حکومت مشکلات میں مبتلا نہ ہو اور مسلمان محض اسلامی اصولِ مساوات کا مظاہرہ کرنے کے لیے کسی غیر قرشی کو خلیفہ بنا کر اُن نتائج سے دوچار نہ ہو جائیں جو ایک با اثر گروہ کے مقابلے میں کسی بے اثر یا کم اثر گروہ کے آدمی کو خلیفہ بنا دینے سے پیش آسکتے تھے۔

فقہاء اسلام نے اگر حضور کے اس حکم کو مستقل دستوری قانون کے معنی میں لیا تو یہ بھی بے وجہ نہ تھا۔ حضورؐ کے بعد صدیوں تک قریش کی وہی پوزیشن برقرار رہی جس کی بنا پر آپ نے ابتداءً یہ حکم دیا تھا اس لیے قرناً بعد قرنٍ فقہاء اس بات کو کہ "خلیفہ قرشی ہونا چاہیے" ایک دستوری قاعدے کے طور پر بیان کرتے چلے گئے۔ لیکن حضورؐ کے وہ ارشادات اُس زمانے میں بھی کسی سے پوشیدہ نہ تھے جن سے یہ ایماء نکلتا تھا کہ یہ حکم قریش کے ایک خاص نسل سے ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ چند اوصاف کی بنا پر ہے جو ان میں پائے جاتے تھے اور اس وقت تک کے لیے ہے جب تک ان میں اس منصب کی اہلیت باقی رہے۔ مثلاً آپ کا یہ ارشاد کہ ما اقاموا الدین (جب تک وہ دین قائم کرتے رہیں) اور ما اذا حکموا فعدلوا و وعدوا فوفوا واسترحموا (جب تک وہ اپنے فیصلوں میں عدل کرتے رہیں اور اپنے وعدے وفا کرتے رہیں اور خلقِ خدا پر رحم کرتے رہیں)۔ یہ ارشادات خود ظاہر کر رہے تھے کہ خلیفہ کے لیے قرشی ہونے کی شرط ایک دائمی دستوری قاعدہ نہیں ہے۔ اسی بات کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سقیفۂ بنی ساعدہ میں واضح فرمایا تھا کہ ان ھذا الامر فی قریش ما اطاعوا اللہ واستقاموا علیٰ امرہٖ (یہ حکومت قریش ہی میں رہے گی جب تک وہ اللہ کی اطاعت کرتے رہیں اور اس کے حکم پر ٹھیک ٹھیک چلتے رہیں)۔ مزید براں حضرت عمرؓ نے اپنے اس قول سے کہ "اگر میری موت کے وقت ابوعبیدہ زندہ نہ ہوں تو میں معاذ بن جبل کو خلیفہ بناؤں گا" یہ بات کھول دی تھی کہ خلافت محض نسل و نسب کی بنا پر قریش کا کوئی مستقل قانونی حق نہیں ہے۔